Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 6, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر محمد سہیل اقبال
ریسرچ اسکالر اینڈ فری لانسر[1]
ڈاکٹر طاہرہ غفور
لیکچرر اُردو گورنمنٹ گریجویٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

خاک اور خون کا موضوعاتی مطالعہ

Dr. Muhammad Sohail Iqbal.
Research Scholar and freelancer
Dr. Tahira Ghafoor
Lecturer Urdu Government Graduate College Satellite Town Rawalpindi

A Thematic Study Of Khak Aur Khoon

Naseem Hijazi's novel Khak aur Khoon (1949) is a significant literary work exploring the partition of India, focusing on the socio-political and emotional upheavals in a Punjab village. Through its protagonist characters the novel vividly portrays the communal tensions, injustices of the Radcliffe Line, and the struggle for freedom, blending historical events with fictional narratives. Hijazi's purposeful storytelling emphasizes Islamic identity and unity, contrasting with the materialistic focus of progressive writers. The novel's structured plot, compelling characters, and evocative imagery effectively capture the trauma and resilience of the partition era, maintaining its relevance decades later.

Keywords: Partition of India, communal tensions, freedom struggle, Khak Aur Khoon, protagonist

تقسیم ہندوستان کے موضوع پر ادب میں بہت سے مصنفین نے قلم آزمائی کی۔ یہ ایک ایسا موضوع تھا کہ جسے پڑھ کر لوگ مضطرب ہو جاتے اور فسادات کی کہانیوں سے انھیں اپنے زخم یاد آ جاتے تھے۔ قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد اتحاد و یگانگت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے نسیم حجازی نے اپنے ناولوں کے ذریعے نظم وضبط و حریت پسندی کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کی۔ فنی لحاظ سے ان کے ناولوں کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں مقصدیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے اگرچہ ترقی پسند ادیبوں کی تحریروں میں بھی مقصدیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نسیم حجازی کا مطمع نظر فلاحی (دینی و دنیاوی) ہے جب کہ ترقی پسندوں کا مطمع نظر مادیت پرستی ہے۔ نسیم حجازی اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ:

کہانیاں میرے شعور میں جنم لیتی تھیں اور اپنے اسلامی تشخص کا احساس میرے شعور پر چھایا ہوا تھا۔ جو مجھ سے کہتا کہ میں جس طرح ہمیشہ سے ایک ناولسٹ تھا اسی طرح ہمیشہ سے ایک پاکستانی تھا اور یہ تڑپ میرے دل میں موجود تھی۔[1]

تقسیم ہندوستان کے حوالے سے نسیم حجازی کا سب سے اہم ناول خاک اور خون ہے جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کو مصنف نے چار حصوں میں مختلف عنوانات کے تحت لکھا ہے۔ پہلے حصے کا عنوان مسکراہٹیں ہے۔ یہاں سے ناول کی کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ ناول پنجاب کے ایک ضلع گورداسپور کے گاؤں کی کہانی ہے جو آہستہ آہستہ پورے جنوبی پنجاب کا احاطہ کرتی ہے۔ اس گاؤں کے لوگ خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔ ناول کا اہم کردار سلیم بھی یہاں اپنے خاندان کے ساتھ بچپن کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ بظاہر کوئی معاشرتی و مذہبی تعصب نظر نہیں آتا البتہ اندرونی طور پر کہیں کہیں مذہبی و معاشرتی منافرت سر اٹھاتی محسوس ہوتی

ہے۔

ناول کا دوسرا حصہ دھڑکنوں کے عنوان سے لکھا گیا ہے ۔ناول کے اس حصے میں تحریکِ پاکستان کا دور ہے ۔یہاں ہندوؤں اور سکھوں کی ریشہ دوانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سلیم اور اس کے ساتھیوں میں جوانی کا پر جوش جذبہ ہے۔ سلیم کے گاؤں میں بظاہر امن وامان اور خاموشی ہے جو آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ فی الوقت تو یہی نظر آرہا ہے کہ اس گاؤں کو پاکستان میں شامل کیا جائے گا اور یہ جان کر ہندوؤں اور سکھوں میں بے چینی بڑھنے لگتی ہے۔ انھیں طرح طرح کے وہم ستا رہے ہیں کہ جانے تقسیم کے بعد مسلمان ان سے کیسا سلوک روا رکھیں گے۔ تاہم مسلمان انھیں مکمل تحفظ کا یقین دلاتے ہیں ۔یہاں بسنے والی قوموں کے نمائندہ بزرگ اپنی اپنی مقدس مذہبی کتابوں کو گواہ بنا کر امن وامان سے زندگی گزارنے کا حلف اٹھاتے ہیں ۔وہ اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ تقسیم کے دوران چاہے جیسے بھی حالات ہوں وہ مل جل کر اپنے گاؤں کو امن کا گہوارہ بنائیں گے۔

ناول کے تیسرے حصے سرخ لکیر میں تحریکِ پاکستان کا دور عروج پر ہے۔ ماؤنٹ بیٹن اور ریڈ کلف کی ناانصافیوں پر مسلمانوں میں شدید غم وغصے کے جذبات پنپ رہے ہیں۔ ہندو مسلم فسادات عام ہیں۔ سلیم کے گاؤں (جو کہ ضلع گورداس پور میں شامل ہے) میں اگرچہ مسلم اکثریت آبادی ہے۔ اس کے باوجود ریڈ کلف ناانصافی سے کام لیتے ہوئے اسے بھارت کا حصہ قرار دے دیتا ہے تاکہ بھارت کی کشمیر تک رسائی میں آسانی ہو سکے۔

ناول کے چوتھے حصے میں نسیم حجازی اپنا پیغام سلیم کی مبلغانہ تقریر کے ذریعے اے قوم کے عنوان سے واضح الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ اس پیغام میں وہ تقسیم ہندوستان کے حوالے سے اپنے خیالات و نظریات پہنچاتا ہے اور اسی حوالے سے تقسیم کی وجوہات اور جدوجہد آزادی کے ایجنڈا کو واضح کرتا ہے۔

ناول خاک اور خون کا پلاٹ سادہ مگر دلچسپ ہے۔ ناول کی کہانی میں مختلف حقیقی وافسانوی واقعات سے تجسس کا عنصر پیدا کیا گیا ہے۔ ناول کے کرداروں کو بچپن سے لے کر زندگی کے مختلف مراحل میں ایک ربط وتسلسل سے پیش کیا گیا ہے۔ گاؤں میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ ان کے رہن سہن، خوشی غمی میں شرکت اور آپس کے تعصبات اور ذہنیت کو مختلف واقعات کے ذریعے قارئین پر عیاں کیا گیا ہے۔ قاری کو ان واقعات سے حقیقت کا گماں گزرتا ہے۔ ناول کا اہم کردار سلیم اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تحریک آزادی کے لیے بھی کوشاں ہے۔ آزادی کے اعلان کے بعد ریڈ کلف کی ناانصافی نے حالات کا رخ ہی موڑ دیا جیسا کہ ناول میں سلیم اور بلونت سنگھ کے مکالمے سے ظاہر ہوتا ہے۔

سلیم نے پنسل کے ساتھ نقشے پر ایک ہلکی سی لکیر کھینچ دی۔ بلونت سنگھ نے کہا کہ " بس تم یہی سمجھتے ہو؟ سلیم نے جواب دیا۔"میرے خیال میں اگر انگریز ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے خلاف زیادتی کر کے فسادات کی نئی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا تو سرحد یہی ہوگی۔ "بلونت سنگھ نے سلیم کے ہاتھ سے پنسل لیتے ہوئے کہا۔۔۔ جس دن ریڈ کلف اپنی پٹاری کھولے گا اس دن بڑوں بڑوں کو غش آجائے گا۔[2]

سلیم گاؤں میں اپنی چچازاد کی شادی میں شرکت کے لیے آتا ہے تو اسے پے در پے مختلف حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے والد شہید ہو جاتے ہیں اور گاؤں پر بھی بلوائیوں کا حملہ ہو جاتا ہے۔ سلیم اپنے چچازاد مجید اور دوست داؤد کے ساتھ مل کر ان کا بہت بہادری سے مقابلہ کرتا ہے لیکن اگلے دن جب ان بلوائیوں کو فوج اور پولیس کی مدد حاصل ہوتی ہے تو وہ چودھری رحمت کی حویلی، جس میں گاؤں کے مسلمان پناہ گزین تھے، اسے نذر آتش کر دیتے ہیں۔ مجید، سلیم اور داؤد ان سے بچ کر پاکستان کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور راستے میں ملنے والے لٹے پٹے مہاجرین قافلوں کی مدد کرتے ہوئے انھیں منزل تک پہنچانے میں سخت مشکلات جھیلتے ہیں۔ اسی تگ ودو میں ان کا ساتھی داؤد بھی شہید ہو جاتا ہے۔ سلیم اپنی منگیتر عصمت اور باقی مظلوم لڑکیوں کو بلوائیوں سے چھڑوا کر بلوچ رجمنٹ کے ایک چھوٹے سے دستے کے ہمراہ بحفاظت پاکستان پہنچاتا ہے اور خود کشمیر کے محاذ پر چلا جاتا ہے وہاں وہ زخمی ہو کر ایک ٹانگ سے محروم ہو جاتا ہے اور واپس پاکستان پہنچ کر عصمت کے ساتھ ایک خوش گوار زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ یہاں ناول کے پلاٹ کی بنت کے بارے میں ڈاکٹر شعیب عتیق لکھتے ہیں کہ :

نسیم حجازی اگر ناول کے کینوس کو مغربی پنجاب تک پھیلاتے تو ان کی مقصدیت مجروح ہو جاتی۔ نسیم حجازی نے نہایت ہوشیاری سے ناول کو مغربی پنجاب کے بجائے کشمیر کے رخ پر موڑ دیا۔ اس طرح اپنا مقصد بھی پورا کر لیا اور واقعیت کو بھی برقرار رکھا۔[3]

ناول خاک اور خون کے پلاٹ میں ترتیب وتنظیم کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ تقسیم ہندوستان کے موضوع پر لکھے گئے دوسرے بڑے ناولوں جن میں آگ کا دریا، آنگن اور اداس نسلیں شامل ہیں۔ ان کا جائزہ لیا جائے تو بلاشبہ تقسیم ہندوستان کے موضوع کو خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے لیکن فسادات کے موضوع کو اتنے بھرپور طریقے سے پیش نہیں کیا گیا جیسا کہ اسے پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ ان ناولوں میں فسادات کو محدود سے انداز میں پیش کیا گیا ہے جب کہ نسیم حجازی کے اس موضوع پر پیش کیے جانے والے ناول خاک اور خون کو معاشرتی، سیاسی، معاشی اور ذہنی کش مکش کے حوالے سے مکمل ربط وتنظیم کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تقسیم کے دوران پیش آنے والے حالات وواقعات کا اظہار ناول کے پلاٹ میں کسی قسم کی فنی وتکنیکی کمی کا باعث نہیں بنتا بلکہ مکمل فنی تقاضوں کے ساتھ واقعات کا تانا

بانااس طرح سے بنا گیاہے کہ پڑھنے والے کو ان تمام واقعات میں یہ احساس نہیں ہوتا کہ ناول میں حالات کو بڑھاچڑھا کر پیش کیا گیا ہے اور ایسے حالات وواقعات کو بیان کیا گیاہے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

خاک اور خون میں کردار سازی کا جائزہ لیا جائے تو ناول کا سب سے جاندار کردار سلیم کا ہے۔یہ کوئی داستانوی کردار نہیں ہے۔اسے بھی عام انسانوں کی طرح مسائل سے واسطہ ہے جن میں سے کچھ مسائل پر وہ قابو پالیتاہے اور کچھ کا شکار ہو جاتاہے۔اگرچہ ناول میں کہیں کہیں اسے مثالی کردار بھی ثابت کیا گیاہے مثلاًوہ سکول میں ہمیشہ مثالی بچے کے روپ میں رہتاہے جو استاد سے مار نہیں کھاتااور اگر اس سے کوئی غلطی سرزد بھی ہو جائے تو اسے معمولی ڈانٹ پڑتی ہے۔بچپن سے اسے کہانیاں سنانے کا شوق ہے اور یہی تخلیقی شوق اس کے ساتھ جوان ہو جاتاہے، بعد میں وہ اسی فن کے ذریعے کالج میں فعال کردار ادا کرتاہے۔ناول کے آخر میں سلیم اپنا مطمع نظر اپنی کتاب کی صورت میں دوسروں تک پہنچاتاہے۔ناول کا دوسرا اہم کردار ناول کی ہیروئن عصمت ہے۔عصمت میں سادگی اور متانت ہے۔ اس کی طبیعت میں شوخی اور بے چینی نظر نہیں آتی اور شاید یہی وجہ ہے کہ عصمت کا کردار قارئین کی زیادہ توجہ نہیں حاصل کر پاتا۔دوسری طرف اگر اس زمانے کے روایتی تقاضوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ محسوس ہوتاہے کہ یہ کردار حقیقت سے قریب تر ہے کیوں کہ اس زمانے میں سادگی اور متانت ہی عورت کی پروقار شخصیت کی علامات تھیں۔سلیم جیسے باوقار ہیرو کے لیے ایسی طبیعت کی ہیروئن کا انتخاب قارئین کے توقع کے مطابق ہے۔عصمت نہ صرف سلیم کے لیے ذہنی آسودگی کا باعث ہے بلکہ وہ عملی طور پر سلیم کا ساتھ دیتی ہے ۔تحریکِ پاکستان کی سرگرمیوں کے دوران سلیم کو گرفتار کرلیا جاتاہے اور تشدد کا نشانہ بنایا جاتاہے لیکن وہاں تھانے میں سب انسپکٹر منصور علی کالج میں سلیم کا ہم جماعت تھا۔منصور علی کی مدد سے وہ زخموں سے چور ڈاکٹر کے گھر پہنچتاہے اور وہاں عصمت اسے دوا دیتی ہے اور اس کا خیال رکھتی ہے جیساکہ ناول میں لکھاہے:

قدرت اسے اس کی توقع کے خلاف یہاں تک لے آئی تھی۔اب اسے پولیس کے ڈنڈوں کا کوئی افسوس نہیں تھا۔عصمت نے اپنے مقدس ہاتھوں سے اس کے زخموں پر پھاہے رکھے تھے اور اس کے نزدیک ان زخموں کی قیمت بہت بڑھ گئی تھی۔اس کے کانوں میں وہ میٹھی اور دل کش آواز گونج رہی تھی۔وہ ان کانپتے ہوئے خوبصورت ہاتھوں کا تصور کر رہا تھا۔وہ ان آنکھوں کا تصور کر رہا تھا جن میں وہ محبت کے دریا موجزن تھے۔اس کی نگاہوں کے سامنے بار بار وہ حسین چہرہ یاد آرہا جس میں دودھ، شہد اور گلاب کے رنگوں کی آمیزش تھی۔[4]

چودھری رمضان ایک سادہ لوح دیہاتی کردار ہے جس کی سادہ لوح حرکتیں قارئین کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں ۔ریلوے پلیٹ فارم پر چودھری رمضان کا ٹکٹ بابو سے بحث مباحثہ مزاح کی صورت حال پیش کرتا ہے جب چودھری رمضان بابو سے کہتاہے کہ:

مجھے کیا معلوم تھا کہ ہانڈیوں کا کرایہ ان کی قیمت سے تین گنا زیادہ ہوتاہے۔"

بس آج تمھیں معلوم ہوگیا نا۔آئندہ تم ایسی غلطی نہیں کروگے۔

بابو جی!" اگر تمھیں خدا نے کسی کے ساتھ نیکی کرنے کی توفیق نہیں دی تو دوسروں کو کیوں منع کرتے ہو؟ [5]

ہندو کرداروں کے ذریعہ منافقت و تنگ نظری کو واضح کیا گیاہے جہاں تک عیسائیوں کے کردار کا تعلق ہے تو ناول میں انھیں امن وامان کے ساتھ رہتے ہوئے دکھایا گیاہے۔مہندر سنگھ اور بسنت کے کردار اگرچہ سکھ کردار ہیں لیکن دوستی کو آخری حد تک نبھاتے ہیں۔مہندر سنگھ سکھوں کے جھتے کو مسلمانوں پر حملہ کرنے سے روکتاہے جس پر اس کا بھائی بلونت نگھ غصے میں کہتاہے:

اس کی رگوں میں میرے باپ کا خون نہیں، ایسا بے غیرت میرا بھائی نہیں ہو سکتا۔ یہ شروع سے مسلمانوں کے ساتھ تھا۔مہندر نے جواب دیا۔ " میں اس لیے مسلمانوں کے ساتھ تھا کہ مجھے تمھارا گھر بچانے کی فکر تھی۔"بدمعاش مجھ سے بحث نہ رو۔تم باپو کے نام کو رسوا کررہے ہو۔تم پنتھ کے خلاف بغاوت کررہے ہو۔ "اگر پنتھ بے گناہوں کے قتل کی اجازت دیتاہے تو میں اس کا باغی ہوں۔[6]

اس ناول میں اس زمانے کے کچھ حقیقی کرداروں کو بھی پیش کیا گیا ہے جن میں قائداعظم محمد علی جناح، نہرو، گاندھی، سہروردی اور ماسٹر تارا سنگھ وغیرہ کے کردار ہیں۔ان کرداروں کو نسیم حجازی نے ان کی پوری خوداعتمادی اور ذہنی رویوں کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔

ناول خاک اور خون کا جائزہ لیں تو سوائے کچھ تقریروں کے زیادہ تر مختصر مکالموں سے کام لیا گیاہے۔مکالمے کرداروں کی طبیعت کے عین مطابق ہیں۔ان سے کرداروں کے خیالات واحساسات سے آگہی حاصل ہوتی ہے۔پڑھے لکھے، ان پڑھ، مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی غرض یہ کہ ہر طبقے کے مکالمے ان کی ذہنی پہنچ کے مطابق ترتیب دیے گئے ہیں جیساکہ ناول کے اس اقتباس سے محسوس ہوتاہے:

تم مذاق کرتے ہو

”میں مذاق نہیں کرتا۔

”اچھا بتاؤ کیا چیز ہے وہ۔

”پہلے قسم کھاؤ تم کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کرو گے۔

”میں باپو کی قسم کھاتا ہوں۔

”نہیں گورو گرنتھ کی قسم کھاؤ۔ [7]

ناول خاک اور خون میں واقعات کے مطابق منظر کشی نہایت احسن طریقے سے کی گئی ہے ۔ کہانی پڑھتے ہوئے ماحول نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ منظر نگاری کی صفت میں نسیم حجازی مہارت رکھتے ہیں جیسے ناول خاک اور خون میں گاؤں میں فروری کے آخری دنوں کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

فروری کے آخری دن تھے۔ وہ درخت جنھیں خزاں نے سبز پتوں سے محروم کر دیا تھا۔ سرخ کونپلوں کے زیور سے آراستہ ہو رہے تھے۔ آلوچہ، ناشپاتی اور آڑو کے درختوں کی شاخیں پھولوں میں چھپ رہی تھیں۔ بیریوں کی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھک رہی تھیں۔ کھیتوں میں گندم لہلہا رہی تھی۔ سرسوں پھول رہی تھی۔ [8]

اسی طرح سے ناول کے دیگر واقعات کو خوب صورت منظر نگاری کے ذریعے قابل توجہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ناول کا عنوان خاک اور خون ناول کے موضوع کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ نسیم حجازی نے اس ناول میں نہایت سادگی اور روانی سے تقسیم ہندوستان کے موضوع کا احاطہ کیا ہے اور اس اہم موضوع سے متعلق حقائق و واقعات کو ادبی و فنی تقاضوں کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس ناول کو لکھے ہوئے تقریباً پچھتر سال گزرنے کے باوجود اس کی مقبولیت میں کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔

حوالہ جات

1۔ راجا تصدق حسین (نسیم حجازی ایک مطالعہ) لاہور: قومی کتب خانہ، ۱۹۸۷ء، ص 292

2۔ نسیم حجازی، خاک اور خون) لاہور: جہانگیر بکس، سن ندارد(، ص ۲۹۲۔

3۔ شعیب عتیق خان، اردو کے افسانوی ادب پر فسادات ۱۹۴۷ کے اثرات) ملتان: بیکن بکس، ۲۰۱۴ء(، ص ۴۱۰۔

4۔ نسیم حجازی، خاک اور خون ،ص ۳۱۰۔

5۔ ایضاً، ص ۲۸۱۔

6۔ ایضاً، ص ۳۶۷۔

7۔ ایضاً، ص ۷۳۔

8۔ ایضاً، ص ۱۷۴۔